بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

قاعدے کی بات ہے کہ انسان تیاری اُس مقصد کی مناسبت ہی سے کیا کرتا ہے جو اس کے پیش نظر ہو۔ تیاری بجائے خود کوئی معنی نہیں رکھتی۔ وہ ہمیشہ کسی نہ کسی مقصد کے لیے ہوتی ہے۔ مقصد کی نوعیت ہی اس کی نوعیت معین کرتی ہے، مقصد کی وسعت یا محدودیت کے لحاظ ہی سے اس کا پیمانہ وسیع یا محدود ہوتا ہے، اور مقصد ہی کا مزاج تیاری کے ممکن طریقوں میں سے مناسب تر طریقے کا انتخاب کرتا ہے۔ بسا اوقات مختلف مقاصد کے لیے بڑی حد تک ایک ہی طرح کی تیاریاں کرنی پڑتی ہیں کیونکہ ان میں سے ہر مقصد کے لیے وہ ناگزیر ہوتی ہیں، لیکن اس ظاہری مماثلت کے اندر غائر نگاہ سے دیکھا جائے تو صاف محسوس کیا جا سکتا ہے کہ مختلف مقاصد کی ملتی جلتی تیاریوں میں بھی ہر مقصد کی روح اپنی جداگانہ شان کے ساتھ کارفرما ہوتی ہے اور ابتدائی مرحلوں سے گزر کر تکمیلی مراحل جتنے جتنے قریب آتے جاتے ہیں ان تیاریوں کے راستے بالکل ایک دوسرے سے الگ اور دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔

مثال کے طور پر دیکھیے: اسلحہ سازی ایک قسم کی تیاری ہے۔ آپ خواہ کسی غرض سے اسلحہ بنائیں، بہرحال صنعت کے چند طریقے آپ کو وہی اختیار کرنے ہوں گے جو کسی دوسری غرض کے لیے اسلحہ بنانے والا اختیار کرے گا، لیکن ابتدا ہی سے وہ مقصد جس کے لیے آپ اسلحہ بنا رہے ہیں، آپ کی اس تیاری کے پیمانے اور اس کی نوعیت اور اس کے نتائج کو ان دوسرے لوگوں کی تیاریوں سے مختلف کر دے گا جو دوسرے مقاصد کے لیے یہی کام کر رہے ہوں۔ فرض کیجیے، آپ صرف ایک فن لطیف (فائن آرٹ) کی حیثیت سے خوبصورت اسلحہ تیار کرنا چاہتے ہیں جس سے آپ کا مقصد محض اپنے اور اپنی سی ذہنیت رکھنے والوں کے ذوقِ جمال کو تسکین دینا ہے، ایک دوسرا شخص پیشہ ور اسلحہ ساز ہے، اور ایک تیسرا شخص اس لیے اسلحہ بناتا ہے کہ اسے ایک فوج تیار کرنی ہے اور ان ہتھیاروں سے خود اپنا جنگی مقصد

حاصل کرنا ہے۔ ان تین مختلف مقاصد کے لیے آپ اور وہ دونوں اسلحہ سازی کے بہت سے مشترک طریقے اختیار کریں گے، لیکن تینوں کے مقاصد کا اختلاف پہلے قدم ہی سے تینوں کی راہیں الگ کر دیگا اور تکمیلی مراحل کی طرف جتنا جتنا قدم بڑھے گا یہ راہیں ایک دوسرے سے بعید اور بعید تر ہوتی چلی جائیں گی۔

فنِ لطیف ہونے کی حیثیت سے آپ جو اسلحہ سازی کریں گے اس میں آپ کے پیشِ نظر نفیس تلواریں اور بندوقیں بنانا بجائے خود مقصود ہوگا، کسی دوسرے مقصد کے بیٹے ان کو آلہ و ذریعہ بنانے کا کوئی سوال نہ ہوگا۔ آپ کی نگاہ میں اصل اہمیت اسلحہ کی نفاست، خوش نمائی اور ستھرائی کی ہوگی، خواہ وہ کارزار میں اپنی کاٹ اور مار کے اعتبار سے بالکل ناقص ہی کیوں نہ ثابت ہوں۔ آپ اسلحہ سازی کے طریقوں میں سے اختیار صرف انہی طریقوں کو کریں گے جن سے لطیف ترین، نازک ترین، حسین ترین ہتھیار بن سکیں اور عجائب دکھا کر ہر صاحبِ ذوق سے داد تحسین لیں۔ ان طریقوں کی طرف تو نظر اٹھا کر دیکھنا بھی آپ کو گوارا نہ ہوگا جن سے بھاری بھرکم، ہولناک اور بھیانک قلعہ شکن ہتھیار اور میدان مار اسلحہ بنا کرتے ہیں۔ آپ کی تلواریں اس لیے نہ ہوں گی کہ صفوں کو الٹ دیں بلکہ اس لیے ہوں گی کہ ہوا میں ریشمی رومال کاٹ دیں۔ آپ آتش بار اسلحہ آتش باری کے لیے نہیں بلکہ آتش بازی کے لیے بنائیں گے۔ آپ کی توپ اس لیے نہ ہوگی کہ میدان جیتے بلکہ اس لیے ہوگی کہ اس کا گولہ آسمان پر جا کر پھٹے اور رنگ برنگ کے پھول برسائے۔ پھر آپ کے اس کارخانے کی کشش بھی ان خریداروں کو نہ کھینچے گی جنھیں لڑنے کے لیے ہتھیار درکار ہیں بلکہ کھینچے گی ان خوش ذوق لوگوں کو جو لڑائی بھڑائی سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے، محض آپ کی طرح آرٹ کے دلدادہ ہیں۔ وہ آپ کے بنائے ہوئے اسلحہ ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور انہیں خوبصورت غلافوں میں لپیٹ کر اپنے کمرہ کی زینت بنائیں گے۔ بہت سے بہت اگر کوئی کام انہوں نے ان ہتھیاروں سے لیا بھی تو بس یہ کہ کچھ نشانہ بازی کی مشق کر لی، کچھ تلوار کے ہاتھ صاف کر لیے، کبھی کوئی جانور مار لیا اور کبھی تماشائیوں کے مجمع میں سپہ گری کے کمالات دکھا کر خراج تحسین وصول

کر لیا۔

رہا پیشہ ور اسلحہ ساز، تو وہ اچھے سے اچھے اسلحہ بنا کر سرِ بازار رکھ دے گا کہ جس کا جی چاہے قیمت دے اور خرید لے جائے۔ اس کی تلوار اس کے اپنے کام کی نہ ہوگی، خریدار کے کام کی ہوگی۔ وہ اس پر باڑھ رکھے گا اور خریدار اس کی کاٹ سے فائدہ اٹھائے گا۔ ہر قسم کے خریداروں کی ضروریات کے لیے اس کے کارخانے میں ہر قسم کے ہتھیار تیار ملیں گے۔ شکاری شکار کے لیے، ڈاکو ڈاکہ زنی کے لیے، جہانگیر کشورکشائی کے لیے، مجاہد راہِ خدا میں جہاد کے لیے، غرض ہر ایک اپنے مقصد کے لیے وہاں سے ہتھیار پائے گا۔ وہ خود کسی مقصدِ خاص کا خادم نہ ہوگا بلکہ مقاصد دوسروں کے ہونگے اور وہ سب کا یکساں خادم ہوگا۔ اس بے مقصد اسلحہ سازی کا اثر لازماً صنعتِ اسلحہ کے طریقوں پر بھی پڑیگا۔ فن کے معلوم و معروف طریقے تو پوری مہارت کے ساتھ اس کارخانے میں استعمال کیے جائیں گے، لیکن کارزار میں کام آنے کے لیے اسلحہ میں جن عملی خصوصیات کی ضرورت ہوتی ہے انہیں پیدا کرنے کا طریقہ اس پیشہ ور فن کار کو سرے سے معلوم ہی نہ ہوگا۔ اس کا حال وہی ہوگا جو گذشتہ جنگ عظیم میں امریکہ کے اسلحہ ساز کارخانوں کا تھا کہ بازار کے چلتے ہوئے اسلحہ تو وہ خوب بنا سکتے تھے مگر کارزار کے عملی تجربوں سے جنگ آزما قوموں نے اسلحہ سازی میں جو کمالات پیدا کیے تھے ان کی ہوا تک ان پیشہ ور اسلحہ سازوں کے مال کو نہ لگی تھی۔ جیسا کہ مسٹر لائڈ جارج نے اپنی خودنوشت سوانح میں لکھا ہے امریکہ کے اسلحہ اپنی چمک دمک اور شان اور نفاست سے نگاہوں کو خیرہ کرتے تھے مگر میدان کی امتحان گاہ میں ناکام ثابت ہوتے تھے۔

بخلاف اس کے جو شخص اسلحہ اس لیے بناتا ہے کہ اس کے پیشِ نظر ایک جنگی مقصد ہے جس کے لیے وہ اپنی فوج کو اپنے ہی ہتھیاروں سے مسلح کرنا چاہتا ہے، اس کا معاملہ آپ سے آپ اس پیشہ ور اسلحہ ساز کے معاملہ سے قطعاً مختلف ہوگا۔ ڈھلائی اور صیقل گری اور آتش کاری کے ابتدائی اصول

اس کے ہاں بھی وہی ہونگے جو آرٹسٹ اور پیشہ ور کے ہاں ہوں گے، مگر ان کا استعمال اس کے ہاں بالکل مختلف طور پر ہوگا۔ اس کو اسلحہ کی نفاست و خوشنمائی کی اتنی پروا نہ ہوگی جتنی ان کی کاٹ اور مار کی ہوگی کوئی ہتھیار چاہے کتنا ہی خوشنما ہو، اگر میدان کی آزمائش میں پورا نہ اتر سکے تو وہ اس کے کسی کام کا نہ ہوگا البتہ بھونڈے سے بھونڈا ہتھیار بھی جو اس آزمائش میں پورا اتر سکے اس کی نظر میں نہایت پسندیدہ ٹھہرے گا۔ اسے مظہر العجائب ہتھیاروں کی حاجت نہ ہوگی، بس کارگر ہتھیار مطلوب ہوں گے۔ اسے وہ توپ درکار ہوگی جس کا گولا قلعوں کو پاش پاش کر دے چاہے اس سے پھول ایک بھی نہ جھڑے۔ اس کو وہ تلوار مرغوب ہوگی جو دشمن کے اندر دوش تا کمر اتر جائے چاہے چمک کا نام بھی اس میں نہ ہو اور ہوا کے رومال کا ایک تار بھی نہ کاٹ سکے۔ ان خوبیوں کے ساتھ اگر ستھرائی اور نفاست و خوشنمائی بھی ہو تو کیا کہنے مگر مقابلۃً وہ کارگر مگر بھونڈے ہتھیار کو حسین ترین مگر کند ہتھیار پر ہزار درجہ ترجیح دیگا۔ پھر وہ صناعتِ اسلحہ سازی کے معلوم و متعارف طریقوں کا بھی غلام نہ ہوگا بلکہ میدان کے تجربوں پر انہیں پرکھے گا اور ان تجربات کی روشنی میں اصولِ صناعت کو زیادہ سے زیادہ بہتر طریقوں سے استعمال کرنے کی کوشش کرے گا خواہ وہ فن کے مروجہ طریقوں کے بالکل خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔ پھر اس کا مقصد ہی یہ متعین کرے گا کہ صناعتِ اسلحہ سازی کے اصول پر جن اقسام کے ہتھیار بننے ممکن ہیں ان میں سے وہ کس قسم کے ہتھیار بنائے اور کس قسم کے نہ بنائے۔ بہت سے وہ ہتھیار جو فنِ لطیف کی اغراض کے لیے یا پیشہ ور کی دکان کے لیے عین مطلوب ہیں، سرے سے اس کے کارخانہ کی اسکیم میں جگہ ہی نہ پائیں گے، اور بہت سے ان ہتھیاروں کو اس کے ہاں سر فہرست جگہ ملے گی جنہیں بنانے کی ضرورت نہ فن کار محسوس کرتا ہے نہ پیشہ ور۔ پھر وہ ایک لمحہ کے لیے بھی اس بات کا تصور تک نہ کر سکے گا کہ اپنے بنائے ہوئے ہتھیار اپنے دشمنوں کے ہاتھ بیچ دے۔ فن کار اپنے فن میں مگن ہوتا ہے، اس کا کسی کارزار سے تعلق ہی نہیں ہوتا کہ کوئی اس کا دوست یا دشمن ہو۔ پیشہ ور ہر خریدار کا نیاز مند ہوتا ہے، اس کو اس سے کیا بحث کہ خریدنے والے اس کا بنایا ہوا مال کس غرض سے خرید رہے ہیں۔ مگر یہ جنگ آزما اسلحہ ساز تو میدان میں دوست بھی رکھتا ہے اور

دشمن بھی، اس کے لیے تو نا ممکن ہے کہ اپنا ایک تیر بھی دشمن کے ترکش میں جاتا دیکھ سکے۔ جب اسے اندیشہ ہوتا ہے کہ اس کا کارخانہ دشمن کے ہاتھ پڑ کر اس کے لیے اسلحہ بنائے گا تو یہ اسے خود اپنے ہاتھ سے ڈائنامیٹ لگا کر اڑا دیتا ہے اور اس بات کی کچھ پروا نہیں کرتا کہ میں نے برسوں کی محنت اور اربوں روپے کے صرف سے یہ کارخانہ بنایا تھا۔

جس طرح اسلحہ سازی ایک قسم کی تیاری ہے اسی طرح تزکیۂ نفس بھی ایک قسم کی تیاری ہی ہے۔ تزکیہ کے دو معنی ہیں پاک صاف کرنا اور نشوونما دینا۔ ان دونوں معنوں کے لحاظ سے تزکیۂ نفس کا مطلب یہ ہے کہ نفس کو غیر مطلوب صفات سے پاک کیا جائے اور مطلوب صفات کی آبیاری سے اس کو پروان چڑھایا جائے۔ پس درحقیقت تزکیۂ نفس اور اخلاقی تیاری دونوں ہم معنی ہیں۔ اب یہ ظاہر ہے کہ جس طرح دوسری تمام تیاریوں کے معاملہ میں تیاری بجائے خود" ایک مہمل چیز ہے اسی طرح یہ اخلاقی تیاری بھی بذاتِ خود مہمل ہے تاوقتیکہ یہ بات واضح طور پر معین نہ ہو کہ تیاری کس مقصد کے لیے ہے۔ مقصد ہی اس امر کا فیصلہ کرنے والی چیز ہے کہ کونسی صفات اس کے حصول میں مانع ہیں جن سے نفس کو پاک کیا جائے اور کونسی صفات اس کے حصول میں مددگار ہیں جن کو نشوونما دینے کی سعی کی جائے۔ مقصد ہی اس بات کا تعین کرتا ہے کہ کس پیمانے کا انسان درکار ہے جسے بنانے کی کوشش کی جائے اور کس پیمانے کے انسان غیر مفید یا ناکافی ہیں جن کے بنانے کی یا تو کوشش ہی نہ ہو، یا جن کے بن جانے پر اکتفا نہ کیا جائے۔ مقصد ہی کی نوعیت پر اس سوال کا فیصلہ بھی منحصر ہے کہ تزکیۂ نفس کے طریقوں میں سے کونسا طریقہ بپیمانۂ مطلوب کے انسان تیار کرنے کے لیے مناسب ہے اور تزکیہ کی تدابیر میں سے کن کن تدبیروں کو کس تناسب کے ساتھ استعمال کیا جائے کہ اس پیمانہ کے انسان ڈھل سکیں۔

یہ مقصد کا سوال اس تزکیۂ نفس کے مسئلے میں اتنا اہم ہے کہ نہ صرف تزکیہ کی نوعیت اور اس کے پیمانے اور اس کی منہاج ہی کا اس پر انحصار ہے، بلکہ فی الحقیقت ایک قسم کے تزکیہ اور دوسری قسم کے تزکیہ میں

فرق و امتیاز بھی اسی کے لحاظ سے ہوتا ہے اور مختلف اقسام کے تزکیوں کی قدر و قیمت بھی اسی کی بنا پر مشخص کی جا سکتی ہے۔ بہت سے لوگ تزکیۂ نفس کو بجائے خود کوئی بہت بڑی قیمتی چیز سمجھتے ہیں اس لیے مقصد سے قطع نظر کر کے نفسِ تزکیہ کے پیچھے پڑ جاتے ہیں حالانکہ نفسِ تزکیہ محض ایک بے معنی چیز ہے۔ اسی طرح بہت سے ناواقف لوگ اُس مماثلت سے دھوکہ کھا جاتے ہیں جو مختلف مقاصد کے تزکیوں کی بعض مشترک تدابیر میں پائی جاتی ہیں۔ ایک بلند ترین اور صحیح ترین مقصد کے لیے جو طریقے کسی حکیم نے اختیار کیے تھے انہی طریقوں کو جب اس مقصد سے ہٹے ہوئے لوگ دوسرے پست یا غلط مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں تو دیکھنے والے طرح طرح کی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کوئی سمجھتا ہے کہ جب یہ ان طریقوں کو استعمال کر رہے ہیں تو ضرور ان کا مقصد بھی وہی ہوگا جو اُس حکیم کا تھا۔ کوئی گمان کرتا ہے کہ ان طریقوں کا استعمال بجائے خود محمود ہے قطع نظر اس سے کہ کس مقصد کے لیے کیا جائے۔ اور کوئی بیچارہ سادہ لوحی کی اس حد کو پہنچ جاتا ہے کہ یہ پست اور غلط مقاصد کے لیے تزکیۂ نفس کرنے والے جب اُس بڑے حکیم کے نسخے کی ترکیب اور اُس کے تناسب میں ترمیم کر کے، اس کے بعض اجزاء کو نکال کر، بعض اجزا کی مقدار بعض دوسرے اجزا سے بڑھا کر اور بعض بظاہر مباح اجزاء اپنی طرف سے اس میں بڑھا کر اسے اپنے مقاصد کے لیے مناسب بناتے ہیں تو وہ غریب اس نئی ترکیب کے راز کو نہیں پا سکتا اور یقین لے آتا ہے کہ یہ نسخہ بھی صحیح ہے۔ حالانکہ اگر باضابطہ حکیمانہ طریقہ سے تزکیۂ نفس کے مسئلہ کا مطالعہ کیا جائے، مقاصد کے لحاظ سے تزکیوں کی انواع و اقسام میں امتیاز کیا جاتے اور تدابیرِ تزکیہ کا اس اعتبار سے جائزہ لیا جاتے کہ مختلف نوعیت کے تزکیوں میں بعض مشترک تدبیروں کا استعمال کس طرح مختلف طور پر ہوتا ہے، ہر نوعیت کے تزکیہ میں ان تدابیر کی، دوسری نوعیتوں کے تزکیوں سے کس قدر مختلف ہوتی ہے اور ان تدابیر کے تناسب کا ترکیب کے مزاج میں کتنا دخل ہے، تو اس قسم کی ساری غلط فہمیاں ختم ہو جاتی ہیں اور حقیقت بالکل نکھر کر سامنے آ جاتی ہے۔

اسلحہ سازی کی جو مثال ابھی ہم نے اوپر دی ہے اگر آپ اسے نظر میں رکھیں اور پھر اس مسئلہ پر

غور کریں تو سارا معاملہ بآسانی آپ کی سمجھ میں آسکتا ہے۔ آپ اس مثال میں ہتھیار کی جگہ انسان کو رکھ دیں اور اسلحہ ساز کے مقام پر اس شخص کو رکھیں جو تزکیہ سے انسانوں کو تیار کرنا چاہتا ہے۔ لامحالہ یہاں بھی سب سے پہلے وہی سوال پیدا ہوگا جو اسلحہ سازی کے معاملہ میں پیدا ہوا کہ یہ شخص آخر کس غرض کے لیے انسان تیار کرنا چاہتا ہے؟ انسان سازی آرٹ کے نقطۂ نظر سے بھی ہو سکتی ہے، پیشہ ورانہ بھی ہو سکتی ہے، اس غرض سے بھی ہو سکتی ہے کہ آپ دنیا میں خود اپنی ایک اسکیم رکھتے ہیں اور اپنے تیار کیے ہوئے انسانوں کی طاقت سے اس کو جاری کر کے اپنے دنیوی مقصد کو حاصل کرنا چاہتے ہیں، اور اس غرض سے بھی ہو سکتی ہے کہ آپ دنیا میں خدا کی اسکیم کو جاری کر کے اس کی رضا کو پہنچنا چاہتے ہیں۔ ان تمام مختلف اغراض کے لیے جو انسان سازی کی جائے گی اس میں بہت سی چیزیں مشترک ہوں گی۔ مثلاً متعدد انسانی صفات ایسی پائی جائیں گی جنہیں سب یا اکثر انسان ساز دور کرنا چاہیں گے، کیونکہ وہ ان سب کی یا اکثر کی جداگانہ اغراض کے حصول میں مانع ہوتی ہیں۔ اسی طرح متعدد صفات ایسی ملیں گی جنہیں وہ سب یا اکثر نشوونما دینے کے خواہشمند ہوں گے کیونکہ وہ ان کی الگ الگ اغراض کے حصول میں مددگار ہوتی ہیں۔ اس طرح اخلاقی تیاری کی بہت سی تدبیریں بھی آپ ایک غرض کی انسان سازی میں وہی پائیں گے جو دوسری غرض کی انسان سازی میں پائیں گے۔ لیکن ان ظاہری مماثلتوں کے باوجود مختلف اقسام کی انسان سازیوں کے مزاج ایک دوسرے سے مختلف ہی رہیں گے اس لیے کہ غرض و مقصد کا اختلاف ان کے راستوں کو لازماً جدا کر دے گا۔ جن صفات کو غیر مطلوب سمجھنے میں یہ سب متفق ہوں گے ان کے غیر مطلوب ہونے کی وجہ ہر ایک کی نگاہ میں دوسرے سے مختلف ہوگی، ان کی غیر محمودیت کے مراتب بھی سب کے ہاں یکساں نہ ہوں گے، اور ان کے سوا بہت سی صفات ایسی ملیں گی جو ایک کے ہاں سخت مذموم ہوں گی اور دوسرے کے ہاں صفاتِ مذمومہ کی فہرست میں سرے سے ان کا ذکر تک نہ ملے گا۔ پس نہ صرف یہ کہ مشترک صفاتِ مذمومہ کے مذموم ہونے میں ہر ایک کا نقطۂ نظر دوسرے سے مختلف ہوگا، بلکہ کلی حیثیت سے ایک کی صفاتِ مذمومہ کا مجموعہ دوسرے کے مجموعہ سے مختلف پایا جائے گا۔ یہی صورتِ حال صفاتِ مطلوبہ کے معاملہ میں آپ دیکھیں گے کہ صفات کے مطلوب

ہونے کی وجہ سے یہ سب غیر متفق ہوں گے، اُن کے مراتبِ مطلوبیت و محمودیت میں بھی ان کے درمیان اتفاق نہ ہوگا اور ایک کی صفاتِ مطلوبہ کا مجموعہ دوسرے کے مجموعہ سے نہ ملے گا۔ اسی طرح تدابیر میں آپ دیکھیں گے کہ مشترک تدابیر میں بھی ہر ایک کے ہاں دوسرے سے مختلف روح کارفرما ہوگی، ان کی اہمیت کے مدارج میں بھی اختلاف ہوگا، اور مجموعی حیثیت سے ایک کا نظامِ انسان سازی اپنی ترکیب، اپنی تدابیر کے تناسب میں دوسرے کے نظامِ انسان سازی سے بالکل غیر مشابہ ہوگا۔

انسان سازی اگرچہ نام کے اعتبار سے ایک ہی چیز ہے، لیکن دیکھیے، غرض و مقصد کے اختلاف سے مختلف اقسام کے انسان سازوں میں کتنا بڑا اختلاف ہو جاتا ہے۔ اب دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تزکیۂ نفس کے ان مختلف اسکولوں میں ہم فرق کیسے کریں گے اور کس طرح یہ تعیین کریں گے کہ ان میں سے کون محض آرٹسٹ ہے، کون پیشہ ور ہے، کون دنیا میں اپنی اسکیم چلانے کے لیے جدوجہد کرنا چاہتا ہے، اور کون خدا کی اسکیم جاری کرنے کے لیے سعی و عمل کے میدان میں اُترنا چاہتا ہے؟ یہ فرق و امتیاز ظاہر ہے کہ دو ہی طریقوں سے ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ ہم ہر اسکول کے نظامِ تزکیہ کا جائزہ لیں۔ دوسرے یہ کہ ہم ہر اسکول کے طرزِ عمل کو دیکھیں۔

آرٹسٹ کا امتیازی وصف یہ ہوتا ہے کہ خوش ذوقی، حُسن، لطافت، کمالاتِ معنوی ظہور حجابی، اور مشاہدۂ جمالِ معنوی اس کے نظام کی بنیادی قدریں ہوتی ہیں۔ اس لیے آرٹسٹ کے نقطۂ نظر سے تزکیۂ نفس کے جتنے اسکول قائم ہوں گے اُن میں لازماً یہی چیزیں زیادہ نمایاں ہونگی۔ ان کے ہاں صفاتِ مذمومہ کی فہرست اس لحاظ سے مرتب ہوگی کہ جو صفات آرٹسٹ کے نقطۂ نظر سے جتنی زیادہ مذموم ہیں ان کے وجود کو اتنا ہی زیادہ نمایاں کیا جائے گا۔ طہارت، نظافت، آداب و ایٹی کیٹ، اوضاع و نشست اور اسی نوعیت کی دوسری چیزوں میں مقررہ ضابطوں سے معمولی انحراف کو بھی وہ بڑے معاصی میں شمار کریں گے۔ جن صفات سے ان کے نزدیک روح کی پرواز میں فرق آتا ہے، یا جو صفات لطائف کے کھلنے میں مانع

ہوتی ہیں، یا جن سے کمالاتِ معنوی کا حصول نہیں ہو سکتا، وہ ان کے ہاں اصل صفات غیر محمودہ قرار پا گئی اسی طرح صفاتِ محمودہ میں بھی آپ اُن کی پوری فہرست پر آرٹ کو مسلط پائیں گے۔ آپ کو صریح طور پر محسوس ہوگا کہ ان کو زیادہ تر دلچسپی زندگی کے حُسن سے ہے اور اس سے آگے بڑھ کر اگر یہ کچھ چاہتے ہیں تو صرف وہ اخلاقی خوبیاں جن سے نفس میں لطیف قوتیں پیدا ہوں، عالمِ بالا کی طرف پرواز کی طاقت آئے، اور ماوراءِ مادہ لذتوں کے ادراک کی صلاحیت نشوونما پائے۔ گویا کہ وہ ایک نفیس ریڈیو سیٹ بنانا چاہتے ہیں جو نہایت متناسب اور خوش وضع بھی ہو اور لطیف ترین آوازوں کو اخذ بھی کر لے، یا ایک خوبصورت کیمرا بنانا چاہتے ہیں جو ستھرا بھی ہو اور جس کی پلیٹ پر لطیف ترین صورتیں مرتسم بھی ہو سکیں۔ ان کے لیے دنیا میں کرنے کا کوئی کام ایسا نہیں ہے جس کی خاطر انھیں خارج کی طاقتوں سے کشمکش اور مقابلہ پیش آئے، جس میں ذمہ داریوں کا بوجھ سہارنے کی طاقت درکار ہو، جس میں تمدن، معاشرت سیاست اور تہذیبِ افکار و اعمال کے مسائل سے انہیں دوچار ہونا پڑے اور کسی ایجابی اسکیم کو مزاحمتوں اور مخالفتوں کے علی الرغم نافذ کرنے کی ضرورت ہو۔ اس لیے وہ صفاتِ محمودہ و غیر محمودہ کے اس پورے شعبے کا نوٹس تک نہیں لیتے جو دنیا کے میدانِ کارزار میں ایک متعین مقصد لے کر اترنے والے کے نقطۂ نظر سے مطلوب یا غیر مطلوب ہوا کرتی ہیں۔ انہیں عمارت کی مضبوطی سے بحث نہیں، صرف اس کی زینت، اس کے تناسب اور اس کے رنگ و روغن اور نقش و نگار سے بحث ہے۔ ان کو سیرت کا زور اور اس کی صلابت مطلوب نہیں، محض اس کا حُسن مطلوب ہے۔ ان کو نفس کی وہ زبردست طاقتیں درکار نہیں جن سے وہ دنیا میں بھاری ذمہ داریوں کو سنبھالنے اور بڑے کام انجام دینے کے لیے تیار ہو، بلکہ وہ لطیف قوتیں مطلوب ہیں جن سے وہ کشفِ صدور، کشفِ قبور، ادراکِ لطائفِ غیبی اور اسی نوع کی دوسری چیزوں پر قادر ہو جائے۔ اسی لیے وہ تدابیرِ تزکیہ میں سے صرف انہی چیزوں کو اختیار کرتے ہیں جو ان کی اس غرض کے لیے موزوں ہوتی ہیں۔ مسلمان آرٹسٹ ہوں یا غیر مسلم آرٹسٹ، سب کی غرض ان تدابیر سے فی الجملہ ایک ہی ہے، اور سب کے ہاں ان تدابیر کا مزاج یکساں ہے۔ فرق اگر ہے تو یہ کہ مسلمان آرٹسٹ ان تدابیر کا انتخاب اسلام کے مجموعۂ تدابیر میں سے کرتا ہے، ان کو پورے مجموعہ میں سے جو کسی اور غرض کے لیے ایک اور ہی تناسب سے

بنایا گیا تھا) الگ نکال کر اپنے لیے مفید مطلب بناتا ہے، ان کے ساتھ اسی مزاج کی کچھ دوسری تدبیروں کا (کبھی بشرطِ اباحت اور کبھی بلا شرطِ اباحت) جوڑ لگاتا ہے، اور اس طرح وہ نفوسِ زکیّہ تیار کرتا ہے جو اس کے آرٹ کے نقطۂ نظر سے مثالی نفوس ہوتے ہیں۔

اب پیشہ ورمزکّی کو لیجیے۔ اس کے ہاں آپ نصب العین کو بڑی حد تک مفقود پائیں گے۔ اس کے معمل میں آپ کو ہر ماڈل کے نفوسِ زکیّہ مل جائیں گے۔ وہ کوشش کرے گا اُن صفات ذمیمہ کو دُور کرنے کی جو تزکیہ کی منڈی میں غیر مطلوب ہیں اور پورا زور صرف کر دے گا اُن صفاتِ حسنہ کو نشو و نما دینے پر جن کی اس بازار میں مانگ پائی جاتی ہے۔ اسی غرض کے لیے وہ تزکیہ کی چند مناسب تدبیریں اختیار کرے گا، پھر ان تدبیروں سے جو نفوسِ زکیّہ تیار ہوں گے ان کو چھوڑ دے گا کہ بازار میں جہاں کھپ سکیں کھپ جائیں۔ اس کا حال پیشہ ور اسلحہ ساز کا سا ہو گا جسے اس بات کی کچھ پروا نہیں ہوتی کہ اس کی صیقل کی ہوئی تلواریں کس کی کمر میں بندھتی ہیں، اس لیے کہ دنیا کے میدانِ کارزار میں اُس کی نہ کسی سے جنگ ہے نہ دشمنی۔ وہ اس رزم گاہ میں ایک غیر جانبدار کاریگر ہے جس کا کام اس کے سوا کچھ نہیں کہ اچھے اچھے پرہیزگار، فرض شناس، متدیّن، خوش معاملہ آدمی تیار کر دے۔ اب اگر یہ اس کے کارخانے کا مارکہ پیشانی پر لیے ہوئے کسی ظالم کی پولیس میں "متقی" تھانہ دار بن جائیں، یا کسی طاغوت کی عدالت میں غیر الٰہی بلکہ صریح خلافِ شریعتِ الٰہی کی بنیاد پر مقدمہ لڑنے والے "متدیّن" وکیل یا خود فیصلہ کرنے والے "پرہیزگار" طاغوت بن جائیں، یا اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے اُن میدانوں میں دھاوے ماریں جہاں عملاً اللہ کے کھلے باغیوں کی کبریائی قائم ہوتی ہے، تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں، بلکہ ایسے جتنے کامیاب پُرزے اس کی خانقاہ سے منسوب ہوں گے اسی قدر زیادہ اس کی کامیابی کی شہادت فراہم ہو گی۔ اس کی تو اصل کامیابی یہی ہے کہ اس کے تیار کیے ہوئے پُرزے خدا کی یاد اور اس کے خوف سے پائیداری حاصل کر کے خود خدا ہی کے باغیوں کی مشین میں نہایت خوبی کے ساتھ نصب ہو جائیں اور انسان باغیوں کے اپنے ڈھالے ہوئے پُرزوں سے بھی کچھ زیادہ قابلِ اعتماد ثابت ہوں۔

اس کاروبار میں یہ پیشہ ور مزکی نہ محض اخلاقی حسن و قبح کے معیار کو، اور نہ صرف تدابیرِ تزکیہ کے نظام کو اپنے پیشہ کے مزاج پر ڈھالتا ہے بلکہ ایک الگ نظریۂ زندگی اور ایک پورا فلسفۂ حیات وضع کر دیتا ہے جس کے بغیر اس کا یہ پیشہ قائم نہیں ہو سکتا۔ اس کے ساختہ پرداختہ انسانوں کے دماغ اس تصور کی پیداوار کے لیے بالکل بنجر ہو جاتے ہیں کہ دنیا میں وہ اپنا بھی کوئی نظامِ زندگی رکھتے ہیں جسے دوسرے نظاموں کے بجائے قائم کرنے کے لیے انہیں مجاہدہ کرنا چاہیے۔ اس کے برعکس وہ انہیں ہر نظامِ غالب میں بسہولت رہنے اور اس سے سازگاری کرنے اور اس کے اندر کھپ جانے کے لیے تیار کرتا ہے اور مذہب، اخلاق، روحانیت اور تہذیب کا ایک ایسا مناسب خلاصہ نکال کر انہیں دے دیتا ہے جسے ساتھ رکھ کر وہ ہر نظامِ فاسد کے جزوِ صالح بن سکتے ہیں۔

دنیوی مقصد کے لیے جدوجہد کرنے والوں کی بہت سی قسمیں ہیں۔ ان میں وہ بھی شامل ہیں جن کے پیشِ نظر اپنا یا اپنے خاندان یا طبقے کا کوئی مقصد ہوتا ہے، وہ بھی جو حبِّ قوم یا حبِ وطن کی بنا پر ایک مقصد لے کر اٹھتے ہیں، اور وہ بھی جو مجرد انسانی مفاد کے لیے کوئی اسکیم چلانا چاہتے ہیں۔ پھر ان میں سے بعض کسی روحانی و اخلاقی مذہب کو مانتے ہیں اور بعض نہیں مانتے۔ جزئیات میں ان سب کے طریق انسان سازی میں کافی فرق ہوتا ہے۔ لیکن بحیثیتِ مجموعی ان سب کی مشترک خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ انسان کو اس حیثیت سے کم ہی دیکھتے ہیں کہ وہ انسان ہے، اس کے ساتھ زیادہ تر دلچسپی انہیں صرف اس حیثیت سے ہوتی ہے کہ وہ ان کے مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ یہی نقطۂ نظر ان کی انسان سازی کے پورے نظام پر حاوی ہوتا ہے، گویا کہ وہ انسان نہیں بناتے بلکہ اپنی اسکیم کے آلات اور اپنی جنگ کے ہتھیار بناتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صفاتِ محمودہ و غیر محمودہ میں سے وہ صفات ان کی فہرست میں جگہ نہیں پاتیں جو انسانیت کے لحاظ سے محمود و غیر محمود ہیں ——— ایسی کچھ صفات سے وہ تعرض کرتے بھی ہیں تو انسانیت کے لحاظ سے نہیں بلکہ محض افادیت کے لحاظ سے ——— دراصل ان کی پوری فہرستِ اخلاق اس بنیاد پر مرتب ہوتی ہے کہ ان کی اسکیم کے نفاذ کا آلہ ہونے کی حیثیت سے انسان میں کونسی

صفات ہونی چاہئیں اور کونسی نہ ہونی چاہئیں۔ اسی بنیاد پر وہ اپنا نظامِ تزکیہ و تربیت تعمیر کرتے ہیں۔ اگر آپ ان کے اس نظامِ انسان سازی کے مزاج کو سمجھنا چاہیں تو صرف ایک بات اس کی مکمل تشخیص کے لیے کافی ہے، اور وہ یہ ہے کہ جو صفات فی الواقع انسانیتِ عالیہ کی خصوصیات میں سے ہیں اُن کو بھی یہ نظام اس طور پر اپنے تربیت یافتہ انسانوں میں پرورش کرتا ہے کہ وہ ثمرِ قب انسانیت کے بجائے محض ایک ہتھیار کی دھار بن کر رہ جاتی ہیں۔ مثلاً صبر، کہ وہ بہترین انسانی صفات میں سے ہے، مگر یہ نظام جن انسانوں میں اتنا صبر پیدا کر دیتا ہے کہ وہ بموں کی بارش میں بھی ڈٹے رہتے ہیں ان کے اندر اتنا بھی صبر پیدا نہیں کر سکتا کہ وہ اپنی خواہشاتِ نفسانی کے ایک معمولی سے تقاضے ہی کے مقابلہ میں ٹھیر جائیں۔

ان سب سے مختلف معاملہ اس شخص کا ہے جو انسان کو اس غرض کے لیے تیار کرنا چاہتا ہو کہ وہ خدا کے امتحان میں کامیاب ہو اور اس منصبِ خلافت کا، جو خدا نے انسان کے سپرد کیا ہے، پورا پورا حق ادا کر کے خدا کی رضا کو پہنچے۔ اس غرض کے لیے وہ اخلاق کے مسئلے کو اس وسعت کے ساتھ اور پھر اس ژرف نگاہی و باریک بینی کے ساتھ دیکھے گا جس کے ساتھ کوئی دوسرا اُسے نہیں دیکھتا۔ وہ اس پورے دائرۂ زندگی کی پیمائش کرے گا جس میں انسان کی آزمائش ہو رہی ہے۔ اس دائرے کے ہر ہر حصہ کے متعلق تحقیق کرے گا کہ کس حصہ میں کس پہلو سے آزمائش ہے اور اس آزمائش میں کامیابی کا مدار کس چیز پر ہے۔ پھر بحیثیت مجموعی پوری زندگی کے امتحان کے متعلق یہ مشخص کرے گا کہ اس میں فی الواقع اللہ تعالیٰ کا وہ منشاء کیا ہے جسے پورا کرنے پر ہی انسان کی کامیابی منحصر ہے۔ پھر اسی نقطۂ نگاہ سے یہ دیکھے گا کہ انسان کے اندر اور اس کے باہر کون کون سی چیزیں ایسی ہیں جو اس کی کامیابی میں سدِّ راہ ہوتی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا سدِّ راہ ہونے کی حیثیت سے کیا مرتبہ ہے، اور اسی طرح باطن و خارج میں کیا چیزیں اس کی کامیابی کے لیے مفید و معاون ہیں اور اس افادیت و معاونت کے اعتبار سے اُن کے کیا مدارج ہیں۔ یہی وہ بنیاد ہے جس پر وہ مطلوب اور غیر مطلوب امور کی فہرست مرتب کرے گا اور اسی بنیاد پر اس امر کا تعین بھی کرے گا کہ کونسی چیز کس درجہ میں مطلوب یا غیر مطلوب ہے اور اس سے

حاصل کرنے یا مٹانے پر کتنا زور صرف کرنا چاہیے۔ پھر یہی وہ بنیاد ہے جس پر وہ تزکیہ کی تدابیر کا انتخاب کرے گا۔ اس کے نظامِ تزکیہ میں ایسی تمام تدابیر جمع ہوں گی جن سے انسان کی کامیابی کے باطنی موانع دُور ہوں اور اس کے اندر خارجی موانع کو ہٹانے اور مٹانے کا عزم اور بل بوتا نشوونما پا سکے، نیز جن سے وہ چیزیں اس کے باطن میں اُبھریں اور ترقی کریں جو اس کی کامیابی میں مددگار ہو سکتی ہیں اور ان چیزوں کو وہ حاصل کرنے اور ترقی دینے کا مشتاق اور اہل بن جائے جو خارج میں اس کے لیے موجبِ فوز و فلاح ہیں۔ صرف یہی نہیں کہ وہ ایسی تمام تدبیروں کو اپنے نظام میں جمع کرے گا، بلکہ درحقیقت اس کے نظام میں ان تمام تدبیروں کے اندر اسی مقصد کی روح کارفرما ہو گی اور اسی مقصد کو ملحوظ رکھ کر وہ ان تدبیروں کو ایک تناسب کے ساتھ اپنے نظامِ تزکیہ میں جگہ دیگا۔

یہی آخری قسم کا تزکیۂ نفس اسلامی تزکیۂ نفس ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نظامِ تزکیہ کے مصطلحات اور اس کے بعض اجزا کسی دوسری نوعیت کے نظامِ تزکیہ میں بھی پائے جائیں، لیکن سخت غلطی پر ہو گا وہ شخص جو محض اتنی مماثلت دیکھ کر اُسے اسلامی تزکیۂ نفس سمجھ بیٹھے گا۔ خوب سمجھ لیجیے کہ جہاں مطلوب اور غیر مطلوب اشیاء کی فہرست میں اسلام کی فہرست سے کچھ کمی و بیشی پائی جاتی ہے، جہاں ان کے مراتبِ مطلوبیت و غیر مطلوبیت میں بھی کچھ اُلٹ پھیر ہے، جہاں تزکیۂ نفس کے کام میں آرٹ یا پیشہ وری یا دنیا طلبی کا رنگ پایا جاتا ہے، اور جہاں تدابیرِ تزکیہ میں اور اُن کے اس تناسب میں، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا تھا، تصرف بھی کیا گیا ہے وہاں ضرور مقصدِ تزکیہ بدل گیا ہے اور مقصد کے بدل جانے کی وجہ سے نوعیتِ تزکیہ بھی بدل چکی ہے۔ ایسا تزکیۂ نفس خواہ اس میں تقویٰ و طہارت کی کتنی ہی گفتگو ہو، اور خواہ اس میں اسلامی تزکیۂ نفس کے مقدس ترین اجزاء کتنے ہی مبالغہ کے ساتھ شامل کیے گئے ہوں، بہرحال اس قدر کا مستحق نہیں ہو سکتا جو صرف اسلامی تزکیۂ نفس ہی کے لیے مختص ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی مقصد کے لیے لڑنے والے نے اگر تلوار پر صیقل کا ایک ایک ہاتھ مارنے کو بڑے اجر و ثواب کا کام قرار دیا ہو، تو یہ اجر و ثواب کا حکم وہاں ہرگز چسپاں نہ ہو گا جہاں محض آرٹ کے طور پر صیقل کے ہاتھ مارے جا رہے ہوں یا جہاں اس کے دشمن کے لیے تلواریں صیقل کی جا رہی ہوں۔